

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤْدُوا الْأَمْانَةَ إِلَىٰ أَهْلِهَا لَا وَرَدَ حَكْمَنَا  
بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعْظِمُكُمْ بِهِ  
إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا  
اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَئِكُمْ مِنْكُمْ هُنَّ عَلَىٰ هُدًىٰ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ  
فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ

مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانیں اہل امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو،<sup>[۸۸]</sup> اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے، اور یقیناً، اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو<sup>[۸۹]</sup> اگر تم واقعی اللہ

[۸۸] یعنی تم ان براجیوں سے بچے رہنا ہم میں بنی اسرائیل کی بنیادی غلطیوں میں سے ایک یہ تھی کہ انہوں نے اپنی اخحطاط کے زمانہ میں امانیں، یعنی ذمہ داری کے منصب اور مذہبی پیشوائی اور قومی سرداری کے مرتبے (Positions of Trust) ایسے لوگوں کو دیئے شروع کر دیے جو نا اہل، کم ظرف، بد اخلاق، بد دیانت اور بد کار تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برے لوگوں کی قیادت میں ساری قوم خراب ہوتی چلی گئی۔ مسلمانوں کو بہادیت کی جارہی ہے کہ تم ایسا نہ کرنا بلکہ امانیں ان لوگوں کے سپرد کرنا جوان کے اہل ہوں، یعنی جن میں بار امانت الٹھانے کی صلاحیت ہو۔ بنی اسرائیل کی دوسرا بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ انصاف کی روح سے خالی ہو گئے تھے۔ وہ شخصی اور قومی اغراض کے لیے بے تکلف ایمان نگل جاتے تھے۔ صرخ بہت دھرمی برت جاتے تھے۔ انصاف کے لیے پر جھری پھیرنے میں انہیں ذرا تال نہ ہوتا تھا۔ ان کی بے انصافی کا تلخ ترین تجھر اس زمانہ میں خود مسلمانوں کو ہورا تھا۔ ایک طرف ان کے سامنے محمد ﷺ اور ان پر ایمان لانے والوں کی پاکیزہ زندگیاں تھیں۔ دوسرا طرف وہ لوگ تھے جو بتوں کو پوچھ رہے تھے، میثیوں کو زندہ گاڑتے تھے، سوتیلی ماڈل تک سے لکھ کر لیتے تھے اور کعبہ کے گرد مادرزاد نگلے ہو کر طواف کرتے تھے۔ یہ نام نہاد اہل کتاب ان میں سے دوسرے گروہ کو پہلے گروہ پر ترجیح دیتے تھے اور ان کو یہ کہتے ہوئے ذرا شرم نہ آتی تھی کہ پہلے گروہ کے مقابلہ میں یہ دوسرا گروہ زیادہ صحیح راستہ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس بے انصافی پر تنبیہ کرنے کے بعد اس مسلمانوں کو بہادیت کرتا ہے کہ تم کہیں ایسے بے انصاف نہ بن جانا۔ خواہ کسی سے دوستی ہو یاد نہیں، بہر حال بات جب کہ وہ انصاف کی کوہ اور فیصلہ جب کرو عدل کے ساتھ کرو۔

[۸۹] یہ آیت اسلام کے پورے نہیں، بلکہ اور سیاسی نظام کی بنیاد اور اسلامی ریاست کے دستور کی اولین دفعہ ہے۔ اس میں حسب ذیل چار اصول مستقل طور پر قائم کر دیے گئے ہیں:

- (۱) اسلامی نظام میں اصل مطابع اللہ تعالیٰ ہے۔ ایک مسلمان سب سے پہلے بندہ خدا ہے، باقی جو کچھ بھی ہے اس کے بعد ہے۔
- (۲) اسلامی نظام کی دوسری بنیاد رسول کی اطاعت ہے۔ یہ کوئی مستقل بالذات اطاعت نہیں ہے بلکہ اطاعت خدا کی واحد عملی

وَإِلَهُكُمْ أَلَا خِرْطُ ذَلِكَ حَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا عَلَىٰ الْحَرَارَةِ  
الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ أَمْنَوْا بِهَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ

اور روز آخرا پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کارہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے [٩٠] اے نبی! تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں،

صورت ہے۔ ہم خدا کی اطاعت صرف اسی طریق سے کر سکتے ہیں کہ رسول کی اطاعت کریں۔ کوئی اطاعت خدا رسول کی سند کے بغیر معتبر نہیں ہے، اور رسول کی پیروی سے منہ موڑنا خدا کے خلاف بغاوت ہے۔

(۳) نمکورہ بالادنوں اطاعتوں کے بعد اور ان کے ماتحت تیری اطاعت جو اسلامی نظام میں مسلمانوں پر واجب ہے وہ ان ”اوی الامر“ کی اطاعت ہے جو خود مسلمانوں میں سے ہوں۔ ”اوی الامر“ کے مفہوم میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے سربراہ کارہوں، خواہ وہ ذہنی و فکری رہنمائی کرنے والے علماء ہوں، یا سیاسی رہنمائی کرنے والے لیڈر ہوں، یا ملکی انتظام کرنے والے حکام، یا عدالتی فیصلے کرنے والے حج، یا تمدنی و معاشرتی امور میں قبیلوں اور ملکوں کی سربراہی کرنے والے شیوخ اور سردار۔

(۴) چوتھی بات جو آیت زیر بحث میں ایک مستقل اور قطعی اصول کے طور پر طکری گئی ہے یہ ہے کہ اسلامی نظام میں خدا کا حکم اور رسول کا طریقہ بنیادی قانون اور آخری سند (Final Authority) ہے۔ مسلمانوں کے درمیان، یا حکومت اور رعایا کے درمیان جس مسئلہ میں بھی نزاع واقع ہوگی اس میں فیصلہ کے لیے قرآن اور سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا اور جو فیصلہ وہاں سے حاصل ہوگا اس کے سامنے سب سرتیام ختم کر دیں گے۔ اس طریقہ مسائل زندگی میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کو سند اور مرجع اور حرف آختر تسلیم کرنا اسلامی نظام کی وہ لازمی خصوصیت ہے جو اسے کافر ان نظام زندگی سے میز کرتی ہے۔ جس نظام میں یہ چیز نہ پائی جائے وہ باقین ایک غیر اسلامی نظام ہے۔

[ ۹۰ ] قرآن مجید پوکہ محض کتاب آئین ہی نہیں ہے بلکہ کتاب تعلیم و تلقین اور صحیفہ وعظ و ارشاد بھی ہے، اس لیے پہلے فقرے میں جو قانونی اصول بیان کیے گئے تھے، اب اس دوسرے فقرے میں ان کی حکمت و مصلحت صحیحی جاری ہے۔ اس میں دو باتیں ارشاد ہوئی ہیں: ایک یہ کہ نمکورہ بالا چاروں اصولوں کی پیروی کرنا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ اور ان اصولوں سے اخراج، یہ دنوں چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ دوسرے یہ کہ ان اصولوں پر اپنے نظام زندگی کو تعمیر کرنے ہی میں مسلمانوں کی بہتری بھی ہے۔ صرف یہی ایک چیزان کو دنیا میں صراحت مستقم پر قائم رکھ سکتی ہے اور اسی سے ان کی عاقبت بھی درست ہو سکتی ہے۔ یقینت ٹھیک اس تقریر کے خاتمه پر ارشاد ہوئی ہے جس میں یہودیوں کی اخلاقی و دینی حالت پر تبصرہ کیا جا رہا تھا۔ اس طرح ایک نہایت لطیف طریقہ سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ تمہاری پیش رو امت دین کے ان بنیادی اصولوں سے مخفف ہو کر جس پتی میں گرچکی ہے اس سے عبرت حاصل کرو۔ جب کوئی گروہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی ہدایت کو پس پشت ڈال دیتا ہے، اور ایسے سرداروں اور رہنماؤں کے پیچھے لگ جاتا ہے جو خدا اور رسول کے مطیع فرمان نہ ہوں، اور اپنے نہیں پیشواؤں اور سیاسی حاکموں سے کتاب و سنت کی سند پوچھئے بغیر ان کی اطاعت کرنے لگتا ہے تو وہ ان خرایوں میں بدلنا ہونے سے کسی طرح نہیں سکتا جن میں بنی اسرائیل بدلنا ہوئے۔

قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكُمُوا إِلَيَّ الظَّاغُوتُ وَقَدْ أُمْرُوا أَنْ  
يَكْفُرُوا بِهِ طَوْبَرِيْدُ الشَّيْطَنُ أَنْ يُضْلِلُهُمْ ضَلَالًا بَعِيْدًا ⑤  
وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا آتَنَا لِلَّهِ وَإِلَيَّ الرَّسُولِ  
رَأَيْتَ الْمُنْفَقِيْنَ يَصْدُلُونَ عَنْكَ صُدُودًا ⑥ فَكَيْفَ إِذَا  
أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمْتُ أَيُّدِينُهُمْ ثُمَّ جَاءُوكَ  
يَعْلِفُونَ هَلْ يَالِلَّهِ إِنْ أَرْدَنَا إِلَّا حُسَانًا وَتَوْفِيقًا ⑦ أُولَئِكَ  
الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظَمُهُمْ

مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرنے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انھیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا<sup>[۹۱]</sup>۔ شیطان انھیں بھکار کرو راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آور رسول کی طرف تو ان منافقوں کو تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہاری طرف آنے سے کرتا تھا ہیں<sup>[۹۲]</sup>۔ پھر اس وقت کیا ہوتا ہے جب ان کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت ان پر آپڑتی ہے؟ اس وقت یہ تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں<sup>[۹۳]</sup> اور کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم تو صرف بھلائی چاہتے تھے اور ہماری نیت تو یہ تھی کہ فریقین میں کسی طرح موافقت ہو جائے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، ان سے تعرض مت کرو، انھیں سمجھاؤ۔

[۹۱] یہاں صریح طور پر ”طاغوت“ سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو، اور وہ نظام عدالت ہے جو نہ اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو۔ لہذا یہ آیت اس معنی میں بالکل صاف ہے کہ جو عدالت ”طاغوت“ کی حیثیت رکھتی ہو اس کے پاس اپنے معاملات فیصلہ کے لیے لے جانا ایمان کے منانی ہے، اور خدا اور اس کی کتاب پر ایمان لانے کا لازمی اتفاق ہا یہ ہے کہ آدمی ایسی عدالت کو جائز عدالت تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ قرآن کی رو سے اللہ پر ایمان اور طاغوت سے کفر، دونوں لازم و ملزم ہیں، اور خدا اور طاغوت دونوں کے آگے یہک وقت جھکنا عین منافقت ہے۔

[۹۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منافقین کی عام روش تھی کہ جس مقدمہ میں انہیں موقع ہوتی تھی کہ فیصلہ ان کے حق میں ہو گا اس کو تو نبی ﷺ کے پاس لے آتے تھے، مگر جس مقدمہ میں انہیں ہوتا تھا کہ فیصلہ ان کے خلاف ہو گا اس کو آپ کے پاس لانے سے انکار کردیتے تھے۔ یعنی حال اب بھی بہت سے منافقوں کا ہے کہ اگر شریعت کا فیصلہ ان کے حق میں ہو تو سر آنکھوں پر، ورنہ ہر اس قانون، ہر اس رسم و رواج اور ہر اس عدالت کے دامن میں جانپاہ لیں گے جس سے انہیں اپنے مشاکے مطابق فیصلہ حاصل ہونے کی توقع ہو۔

[۹۳] غالباً اس سے مراد یہ ہے کہ جب ان کی اس منافقانہ حرکت کا مسلمانوں کو علم ہو جاتا ہے اور انہیں خوف ہوتا ہے کہ اب باز پر ہو گی اور سزا ملے گی اس وقت قسمیں کھا کھا کر اپنے ایمان کا یقین دلانے لگتے ہیں۔

وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بِلَيْعَانًا ۝ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ  
رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْأَنَّهُمْ أَذْظَلُوا أَنفُسَهُمْ  
جَاءُوكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفِرَ لَهُمُ الرَّسُولُ  
لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَآبًا رَّحِيمًا ۝ فَلَا وَرَبِّكَ لَوْيُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ  
يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ يَدِنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِي أَنفُسِهِمْ  
حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ وَلَوْأَنَّا كَتَبْنَا  
عَلَيْهِمْ أَنْ افْتُلُوا أَنفُسَكُمْ أَوْ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا

اور ایسی نصیحت کرو جوان کے دلوں میں اتر جائے۔ (انھیں بتاؤ کر) ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔ [۹۴] اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آ جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے، اور رسول بھی ان کے لیے معافی کی درخواست کرتا، تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔ نہیں، اے محمد، تمہارے رب کی قسم یہ بھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سب سے تسلیم کر لیں۔ [۹۵] اگر ہم نے انھیں حکم دیا ہوتا کہ اپنے آپ کو بلاک کر دو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ

[۹۳] یعنی خدا کی طرف سے رسول اس لیے نہیں آتا ہے کہ بس اس کی رسالت پر ایمان لے آؤ اور پھر اطاعت جس کی چاہو کرتے رہو۔ بلکہ رسول کے آنے کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ زندگی کا جو قانون وہ لے کر آیا ہے، تمام قوانین کو چھوڑ کر صرف اسی کی پیروی کی جائے اور خدا کی طرف سے جو حکام وہ دیتا ہے، تمام حکام کو چھوڑ کر صرف انہی پر عمل کیا جائے۔ اگر کسی نے یہی نہ کیا تو پھر اس کا محض رسول کو رسول مان لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

[۹۵] اس آیت کا حکم صرف حضور کی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔ جو کچھ اللہ کی طرف سے نبی ﷺ لائے ہیں اور جس طریقہ پر اللہ کی بدایت و رہنمائی کے تحت آپ نے عمل کیا ہے وہ بیشہ بیشہ کے لیے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن سند ہے، اور اس سند کو ماننے یا نہ ماننے ہی پر آدمی کے مومن ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہے۔ حدیث میں اسی بات کو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ لا یومن احد کم حتیٰ یکون ہواہ تعالیٰ لما جئت به۔ ”تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس اس طریقہ کی تابع نہ ہو جائے جسے میں لے کر آیا ہوں۔“

فَعَلُوْدُ اِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْا نَهُمْ فَعَلُوا مَا يُوْعَظُونَ  
بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ۝ وَإِذَا لَا تَئِنُهُمْ  
مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَلَهُدَىٰ نَهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝  
وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ  
اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّنَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشَّهِدَاءِ

تو ان میں سے کم ہی آدمی اس پر عمل کرتے [۹۶] حالانکہ جو نصیحت انھیں کی جاتی ہے اگر یہ اس پر عمل کرتے تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتری اور زیادہ ثابت قدی کا موجب [۹۷] ہوتا اور جب یہ ایسا کرتے تو ہم انھیں اپنی طرف سے بہت بڑا جردنیتے اور انھیں سیدھا راستہ دکھا دیتے۔ جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء

[۹۸] یعنی جب ان کا حال یہ ہے کہ شریعت کی پابندی کرنے میں ذرا سائقان یا تھوڑی سی تکلیف بھی یہ برداشت نہیں کر سکتے تو ان سے کسی بڑی قربانی کی ہرگز توقع نہیں کی جاسکتی۔ اگر جان دینے یا گھر یا چھوڑنے کا مطالبہ ان سے کیا جائے تو یہ فوراً بھاگ کھڑے ہوں گے اور ایمان و اطاعت کے بجائے کفر و نافرمانی کی راہ لیں گے۔

[۹۷] یعنی اگر یہ لوگ شک اور تدبیب اور تردی چھوڑ کر یکسوئی کے ساتھ رسول کی اطاعت و پیروی پر قائم ہو جاتے اور ڈانوال ڈول نہ رہتے تو ان کی زندگی تزلزل سے محفوظ ہو جاتی۔ ان کے خیالات، اخلاق اور معاملات سب کے سب ایک مستقل اور پانیدار بنیاد پر قائم ہو جاتے اور یہ ان برکات سے بہرہ ور ہوتے جو ایک شاہراہ مستقیم پر ثابت قدی کے ساتھ چلنے سے ہی حاصل ہوا کرتی ہیں۔ جو شخص تدبیب اور تردی کی حالت میں بنتا ہو، کبھی اس راستہ پر چلے اور کبھی اس راستہ پر، اور اطمینان کسی راست کے بھی صحیح ہونے پر اسے حاصل نہ ہو، اس کی ساری زندگی نقش برآب کی طرح برس ہوتی ہے اور سچی لا حاصل بن کر رہ جاتی ہے۔

[۹۸] یعنی جب وہ شک چھوڑ کر ایمان و یقین کے ساتھ رسول کی اطاعت کا فیصلہ کر لیتے تو اللہ کے فضل سے ان کے سامنے سمعی و عمل کا سیدھا راست بالکل روشن ہو جاتا اور انہیں صاف نظر آ جاتا کہ وہ اپنی قوتیں اور محنتیں کس راہ میں صرف کریں جس سے ان کا ہر قدم اپنی حقیقی منزل مقصود کی طرف اٹھے۔

[۹۹] اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی اپنے اس فعل کے بدوات نبی بھی بن جائے گا۔ صدقیت سے مراد وہ شخص ہے جو نہایت راست باز ہو، جس کے اندر صداقت پسندی اور حق پر حقیقی کمال درجہ پر ہو، جب ساتھ دے تو حق اور انصاف ہی کا ساتھ دے اور پچ دل سے دے، اور جس چیز کو حق کے خلاف پائے اس کے مقابلہ میں ڈٹ کر کھڑا ہو جائے اور ذرا کمزوری نہ دکھائے۔

شہید کے اصل معنی گواہ کے ہیں۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے ایمان کی صداقت پر اپنی زندگی کے پورے طرزِ عمل سے شہادت

وَالظَّلِيلُونَ ۝ وَحَسْنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا ۝ ذَلِكَ الْفَضْلُ  
۝ مِنَ اللَّهِ وَكُفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا  
حَذْرَكُمْ فَانْقِرُوا أُثْبَاتٍ أَوْ انْقِرُوا جَمِيعًا ۝ وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ  
لَّيْبَطِعَنَّ ۝ فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ  
إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ۝ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ

اور صالحین [۹۹] کیے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میرا میں [۱۰۰] یہ حقیقی فضل ہے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور حقیقت جانے کے لیے اب اللہ ہی کا علم کافی ہے ۷

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، مقابلہ کے لیے ہر وقت تیار ہو، [۱۰۱] پھر جیسا موقع ہوا لگ الگ دستوں کی شکل میں نکلو یا کٹھے ہو کر۔ ہاں تم میں کوئی آدمی ایسا بھی ہے جو لڑائی سے جی چرتا ہے، [۱۰۲] اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو کہتا ہے اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نہ گیا، اور اگر اللہ کی طرف سے تم پر فضل ہو تو کہتا ہے ۔

و۔ اللہ کی راہ میں لڑ کر جان دینے والے کو بھی شہید اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ جان دے کر ثابت کر دیتا ہے کہ وہ جس چیز پر ایمان لایا تھا اسے واقعی سچے دل سے حق سمجھتا تھا اور اسے اتنا عزیز رکھتا تھا کہ اس کے لیے جان قربان کرنے میں بھی اس نے دربغ نہ کیا۔ ایسے راست باز لوگوں کو بھی شہید کہا جاتا ہے جو اس قدر قابلِ اعتقاد ہوں کہ جس چیز پر وہ شہادت دیں اس کا صحیح و برحق ہونا بالاتالِ تسلیم کر لیا جائے۔ صاحب سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے خیالات اور عقائد میں، اپنی نیت اور ارادوں میں اور اپنے اقوال اور افعال میں راہ راست پر قائم ہو اور فی الجملہ اپنی زندگی میں نیک رو یہ رکھتا ہو۔

[۱۰۰] یعنی وہ انسان خوش قدمت ہے جسے اپنے ایسے لوگ دنیا میں رفاقت کے لیے میرا میں اور جس کا انجام آخرت میں بھی ایسے ہی لوگوں کے ساتھ ہو۔ کسی آدمی کے احساسات مردہ ہو جائیں تو بات دوسرا ہے، ورنہ درحقیقت بدیرت اور بدکار لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا دنیا ہی میں ایک عذاب الیم ہے، کجا کہ آخرت میں بھی آدمی اپنی کے ساتھ اس انجام سے دوچار ہو جان کے لیے مقدر ہے۔ اسی لیے اللہ کے نیک بندوں کی بیشتر بھی تنہا ہی ہے کہ ان کو نیک لوگوں کی سوسائٹی نصیب ہو اور مرکر بھی وہ نیک ہی لوگوں کے ساتھ رہ ہیں۔

[۱۰۱] واضح رہے کہ غیر مان اس زمانہ میں نازل ہوا تھا جب احد کی نکست کی وجہ سے اطراف و نواح کے قبائل کی ہمتیں بڑھنی پر تھیں اور مسلمان ہر طرف سے خطرات میں گھر گئے تھے۔ آئے دن خبریں آتی رہتی تھیں کہ فلاں قبیلے کے تیور بگر ہے ہیں، فلاں قبیلہ و شہی پر آمادہ ہے، فلاں مقام پر حملہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ پر درپے غداریاں کی جاری تھیں۔ ان کے مبلغین کو فریب سے دعوت دی جاتی تھی اور قتل کر دیا جاتا تھا۔ مدینہ کے حدود سے باہر ان کے لیے جان و مال کی سلامتی باقی نہ رہتی۔ ان حالات میں مسلمانوں کی طرف سے ایک زبردست سمجھی و جہد اور بخت جاں فشانی کی ضرورت تھی تاکہ ان خطرات کے بجوم سے اسلام کی یقینیک میث نہ جائے۔

[۱۰۲] ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ خود قبیچ چراتا ہے، دوسروں کی بھی ہمتیں پست کرتا ہے اور ان کو جہاد سے روکنے کے لیے اسی باتیں کرتا ہے کہ وہ بھی اسی کی طرح میٹھر ہیں۔